R. No. [illegible]

Regd. No. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

Telephone No. [illegible]

Telegram "ANJUMAN"

ہماری زبان

جلد ۲۲ - شمارہ ۵ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - یکم فروری ۱۹۶۳ء

دھریندر پرشاد سکسینہ بدایونی

محسن الملک کے دو غیر مطبوعہ خطوط

محسن الملک کے یہ دو غیر مطبوعہ خطوط منشی سعادت حسین مدہوش بدایونی شاگرد غالب کے نام ہیں جو نہایت ہی ہوش و گوش والے شاعر ہونے کے علاوہ اردو اور فارسی کے عالم بھی تھے۔ غزل کہنے والوں میں بھی ان کا خاص مرتبہ تھا اور شہیدی کی طرح ان کی نعتیہ غزلیں بدایوں میں شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ سرسید اور محسن الملک مدہوش مرحوم کا بہت احترام کرتے تھے کیونکہ سارے روہیلکھنڈ میں جہاں تک اردو تعلیم کا سوال ہے مدہوش مرحوم نے اس کے پھیلانے کے لئے تن من دھن سے زندگی بھر کوشش کی تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کے لئے بھی انھوں نے بہت کچھ کیا۔ بریلی، بدایوں، اور شاہ جہاں پور میں اب بھی ان کا ذکر اکثر پڑھے لکھے لوگ کرتے رہتے ہیں۔ بدایوں میں ایک پٹھان بزرگ ہے، جو محلہ چاہ میسر میں مدہوش مرحوم کی رہی کوٹھی کے ایک حصے میں رہتے ہیں میں نے ان کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو ان کا ذکر کرتے ہوئے رو پڑے۔ مدہوش مرحوم کے نواسوں میں عابد سعید خاں ختاؤدی ایک خوش فکر اور سلیم المذاق شاعر ہیں جو فانی بدایونی کے شاگرد ہیں ان کا مجموعہ "رنگا رنگ" پروفیسر ضیا احمد بدایونی کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے خطوط ملاحظہ فرمائیے۔

(۱)

۲۲ نومبر ۱۸۹۶ء

جناب والا

آپ کی بے انتہا کوششوں کا میں بہت مشکور ہوں۔ اگر قوم میں آپ جیسے لوگ موجود ہوں تو ہندوستانی موجودہ پستی کی حالت میں ہرگز نہ رہیں۔ میرا قصد فروری کے مہینے میں روہیلکھنڈ میں دورہ کرنے کا ہے۔ بدایوں مرادآباد وغیرہ میں بلا آپ کی مدد کے کامیابی ہونا محال ہے۔ مہربانی فرما کر یہ تحریر فرمائیے کہ کونسی تاریخیں بدایوں کے جلسے کے لئے زیادہ مفید ہوں گی۔

امسال کانفرنس کلکتہ میں منعقد ہوگی اور اس کے فوراً ہی بعد میموریل فنڈ کا اجلاس ہوگا۔ امید ہے کہ آپ امسال کانفرنس میں شامل ہوں گے۔

آپ کا خادم
محسن الملک

(۲)

دفتر سرسید میموریل فنڈ کمیٹی علی گڑھ

۸ جولائی ۱۸۹۹ء

جناب من

۲۳ جولائی روز شنبہ کو ۷ بجے صبح کے سرسید میموریل فنڈ کمیٹی کا جلسہ اسٹریچی ہال میں ہوگا اور عالی جناب ہز آنر نواب لفٹننٹ گورنر بہادر نے براہ مہربانی صدر نشین ہونا اس جلسے کا منظور فرمایا ہے کمیٹی امید کرتی ہے کہ آپ بھی اس اجلاس میں تشریف لا کر کمیٹی کو ممنون فرمائیں گے۔

براہ مہربانی روز مقررہ سے پہلے اپنی تشریف آوری کے ارادے سے مطلع فرمائیے۔ فقط

محسن الملک
پریسیڈنٹ

اسید حسن نورانی

انیسویں (۱۹) صدی میں اردو کے دو منظوم ماہنامے

انیسویں صدی کے آخر میں ہندوستان کے مختلف حصوں سے اردو اخبارات و رسائل اچھی خاصی تعداد میں شایع ہو رہے تھے۔ ان میں سے بعض تو علمی و ادبی اعتبار سے معیاری تھے لیکن اکثر کو ابتدائی کوششوں کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ ادھر کچھ عرصے سے کچھ اہل قلم نے بہت سے غیر معروف اخبارات و رسائل کا تعارف کرایا ہے۔ اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ اس زمانے میں اردو کی مقبولیت اور ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے۔ میرے پاس انیسویں صدی کے درمیانی اور آخری دور میں شایع ہونے والے متعدد اخبارات و رسائل کے متفرق نمبر موجود ہیں۔ ان میں سے دو منظوم ماہنامے میرے پیش نظر ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ اول سے آخر تک منظوم کلام شامل ہے۔ صرف قواعد و ضوابط نثر میں ہیں۔

ایک منظوم رسالہ آگرہ سے نکلتا تھا، دوسرا میرٹھ سے۔ سطور ذیل میں انھیں دونوں کا تعارف کرانا مقصود ہے۔

(۱) گلدستہ دامن بہار ۔ ایڈیٹر مرزا نثار حسین۔ مطبع وجیہ حیدری آگرہ۔ چندہ سالانہ خواص سے پانچ روپے عوام سے ایک روپیہ آٹھ آنے۔ سائز ۲۲ × ۲۹ ۔

یہ ۱۸۹۲ء میں جاری ہوا۔ پہلا شمارہ ماہ مئی میں شایع ہوا تھا۔ ہر ماہ ایڈیٹر کی طرف سے ایک مصرع طرح دیا جاتا تھا اور شعراء سے اس طرح پر غزلیں لینے کی درخواست کی جاتی تھی اگر کوئی غیر طرحی کلام اشاعت کے لئے بھیجتا تو اس سے دو آنہ فی شعر اجرت لی جاتی تھی۔ غزل ہر ماہ کی پہلی تاریخ تک پہنچنا ضروری تھی۔ رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ر تاریخ کو شایع ہوتا تھا۔

میرے پاس پہلے سال کے چار شمارے موجود ہیں۔ ماہ جولائی ۱۸۹۲ء کا شمارہ اس وقت پیش نظر ہے اس میں تیس شاعروں کی طرحی غزلیں چھپی ہیں۔ مصرع طرح یہ تھا:

کس فتنۂ محشر کے ہے آنے کی خبر آج

اس نمبر کے آخر میں آئندہ تین ماہ کے لئے طرحی مصرعے بھی شایع ہوئے ہیں۔

(۱) چمن میں خوش ہیں طائر آمد فصل بہاری ہے۔
(۲) موتی بھرے ہیں دامن فصل بہار میں۔
(۳) وہ ہوئے ہیں مرے مہمان بڑی مشکل ہے۔

آخر میں پندرہ سولہ صفحات کتابوں اور ادویات کے اشتہارات کے لئے وقف تھے۔ کاغذ بادامی ہے اور طباعت و کتابت نہایت صاف ستھری ہے۔

(۲) ماہنامہ لسان الملک منظوم میرٹھ۔
ایڈیٹر سید محمد مرتضیٰ یزدانی میرٹھی۔ سائز ۲۰ × ۲۶ قیمت اور چندہ سالانہ درج نہیں۔ کاغذ گلیز ٹائٹل رنگین، طباعت و کتابت نہایت عمدہ۔

یہ ماہنامہ ماہ جون ۱۸۸۹ء سے نکلنا شروع ہوا۔ اچھا خاصا معیاری رسالہ ہے۔ میرے پاس پہلے شمارہ کے علاوہ ۱۸۹۰ء اور ۱۸۹۱ء کے آٹھ دس مختلف نمبر موجود ہیں۔ اس کی ترتیب بہت دلچسپ ہے۔ ہر ماہ دو طرحی مصرعے شایع ہوتے تھے۔ مصرع برائے "دیوان خاص" اور مصرع برائے "برائے دیوان عام" شعراء سے دونوں طرحوں میں طبع آزمائی کی درخواست کی جاتی تھی اور انھیں دو عنوانوں کے تحت موصول غزلیات علیحدہ علیحدہ لسان الملک میں شایع ہوتی تھیں۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ عام و خاص کی تخصیص کیوں تھی اور اس سے کیا مقصد تھا۔ ایڈیٹر محمد مرتضیٰ یزدانی کا تخلص بیاں بھی تھا۔ ان کو نظم و نثر لکھنے میں یکساں ملکہ حاصل تھا۔ کبھی کبھی اداریہ نثر میں بھی لکھتے تھے، جس کی عبارت نہایت شگفتہ اور دل کش ہے۔ منظوم کلام بھی شاعرانہ محاسن سے آراستہ نظر آتا ہے، یہ اُس دور کا معیاری ماہنامہ نظر آتا ہے۔

پہلے نمبر کا اداریہ "ایشیائی شاعری اور نیچرل شاعری" پر لکھا تھا جس میں ایک خاص انداز سے دونوں میں موازنہ کیا۔ چند اقتباسات بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

"نگاہ ناز کی نوک دار سناں کس پر چلی، کون سامنے آگیا، کس کی قضا کھیلنے لگی۔
ع۔ شامت پھر آگئی ہے کسی بے گناہ کی،
وہ بے گناہ کون، ایشیائی شاعری،
کیوں خیر تو ہے یہ نئی نویلی دلہن اپنی بڑی بہن سے کیوں روٹھ گئی۔ غور سے دیکھا تو اس کی ایک باریک وجہ نکلی۔ وہ یہ تھی کہ یہ فلک ستائی۔ ... شاہجہانی تھی اُس کا چاہنے والا زمانہ دنیا سے چل بسا۔ دلّی کا راج اُلٹ گیا۔ تخت طاؤس کے پل دیے بک گئے۔ لکھنؤ کا سہاگ لُٹ گیا۔ زمانے نے عروج اقبال کی نعش اٹھا کر مٹیا برج کے دخمہ میں جا رکھی۔ شاہان اودھ کا کرو فر اُجڑ گیا۔ سلاطین دہلی کا جاہ و جلال یتیم ہوا۔ جو اُس کے حُسن کے فریفتہ تھے، انھیں موت بھا گئی "آغوش خاک میں ہیں" جو اُس کو دیکھ کر جیتے تھے وہ مر گئے۔"

(صفحہ ۲ ۔ ماہ جون ۱۸۸۹ء)

ایک اور اقتباس دیکھئے۔ اس میں نیچرل شاعری سے اس کا تعارف کرایا ہے اور عبارت کی روانی میں اس دور کے مشہور اردو ماہناموں کے نام بھی آگئے ہیں:

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

ذرہ دیکھئے!
[illegible]
... سلسلہ جاری ہے
[illegible]

ہماری زبان

یکم فروری سنہ ۱۹۶۳ء

ادبی حلقے کے خریدار بنائیے

نوائے ادب کی تازہ اشاعت میں یہ بڑے پتے کی بات کہی گئی ہے کہ "اب بڑی حد تک ادبیات نام رہ گیا ہے شاعری، افسانہ، ناول، ڈرامہ انہی کے لکھنے والوں کے حالات اور تنقید کا۔ ہم کو اس کے تسلیم کرنے میں بالکل باک نہیں کہ یہ ہماری ادبی زندگی کے اہم اجزا ہیں۔ لیکن ادب کا میدان اتنا وسیع ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ بھی اس کے باہر نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسی محدود دائرے میں بند ہو کر رہ جاتا ہے اور پڑھنے والوں کو نہ کوئی اچھی تاریخ ملتی ہے اور نہ سیاست، معیشت، سماج وغیرہ کے مسئلوں پر کوئی اچھی اور معیاری کتاب ہی شایع ہوتی ہے۔ سائنس سے متعلق تو ہمارے پاس ایسی کتابیں بھی جن کو ابتدائی مدارس میں داخل کیا جاسکے، نہیں ہیں۔"

معزز معاصر نے اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو ہند کو اس کا فرض یاد دلایا ہے۔ معاصر کی تنقید وزن رکھتی ہے۔ اس میں موجودہ دور کی دشواریوں اور مالی دقتوں کا احساس بھی ہے، مگر ہم معاصر کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ انجمن اردو کے علمی سرمائے کے اضافے کی طرف برابر توجہ کر رہی ہے۔ سیر افلاک، فن تحریر کی تاریخ، دیمک جیسی کتابیں حال میں شایع ہوئی ہیں۔ لسانیات، ایٹم کی دنیا اور صحیفۂ خوش نویسان طباعت کی منزلوں سے گزر رہی ہیں، ہندوستانی مصوری، موسیقی، فن تعمیر پر کتابیں لکھوائی جا رہی ہیں۔ سیاسیات اور اقتصادیات پر بھی کتابیں تیار کرانے کا پروگرام ہے۔

جیسا کہ معاصر نے کہا ہے اس سلسلے میں سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ علمی کتابوں کی بازار میں نکاسی بہت کم ہوتی ہے اور خالص علمی ادارے بھی تمام تر بازار کی مانگ سے بے نیاز نہیں ہو سکتے اور نہ صرف حکومت کی امداد کی توقع پر بڑے علمی کاموں کا منصوبہ بنا سکتے ہیں۔ اسی لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ سنجیدہ کتابوں کے پڑھنے والوں کا حلقہ وسیع کیا جائے اور زیادہ تر اس کے سہارے پر ایسی علمی کتابیں شایع کی جائیں جو عام پڑھے لکھوں کی معلومات وسیع کر سکیں اور کالجوں کے طلبا کے بھی کام آسکیں۔ انجمن نے ادبی حلقے کی اسکیم اسی غرض سے چلائی تھی جس کے ذریعے سے تیس روپیہ سالانہ کے عوض پڑھنے والوں کو اردو ادب اور ہماری زبان کے علاوہ پچیس روپے سالانہ کی کتابیں مہیا کی جاتی ہیں۔ اس وقت ادبی حلقے کے ممبروں کی تعداد زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ اگر ایک ہزار تک پہنچ جائے تو نہ صرف اچھی اور معیاری کتابوں کی جلد جلد اشاعت کی ضمانت ہو سکتی ہے بلکہ اس سلسلے کے وسیع ہونے کے امکانات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

انجمن کی شاخوں کا فرض ہے کہ وہ ادبی حلقے کے خریدار بنانے کی طرف فوری توجہ کریں۔ اس سلسلے میں شاخوں کو ہدایات بھیجی جا رہی ہیں۔ ہماری زبان کے پڑھنے والوں سے بھی درخواست ہے کہ وہ اپنے حلقے میں ایسے ممبر بنائیں۔ بڑے شہروں میں خریدار بنانے کے لئے جنرل سکریٹری آنے والے موسم گرما میں دورہ بھی کرنے والے ہیں۔ ہم خرما و ہم ثواب کی مثل کا جتنا اس خریداری پر اطلاق ہو سکتا ہے اتنا کم چیزوں پر ہوگا۔

ادیبوں کی خدمات کا اعتراف

اب کے یوم جمہوریت کے موقع پر کئی ادیبوں اور عالموں کی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صرف مشہور ماہر تعلیم اور قومی رہنما ہی نہیں ایک ممتاز ادیب بھی ہیں۔ انھیں بھارت رتن کا اعزاز دیا گیا ہے جو ہمارے ملک کے چوٹی کے لوگوں کو ہی اب تک مل سکا ہے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی اردو کے مشہور ادیب، انشا پرداز اور مزاح نگار ہیں۔ ان کی ادبی خدمات کا اعتراف پدم شری کے خطاب سے کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سنیتی کمار چیٹرجی ہندوستان کے ماہرین لسانیات میں سب سے ممتاز ہیں اور ایک عالم اور محقق کی حیثیت سے ان کو بڑا درجہ ہے۔ انھیں پدم بھوشن کا خطاب عطا کیا گیا ہے۔ شری راہل سنکرتاین، شری ماکھن لال چترویدی اور ڈاکٹر رام کمار ورما ہندی ادب میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان حضرات کی خدمات کا اعتراف علم و ادب کا اعتراف ہے۔ اس لئے ہم نہ صرف ان بزرگوں کو بلکہ حکومت کو بھی مبارکباد دیتے ہیں۔

رابرٹ فراسٹ کی موت

رابرٹ فراسٹ امریکہ کا سب سے مشہور اور ممتاز شاعر تھا۔ اس نے اٹھاسی برس کی عمر پائی۔ حال ہی میں اس کے دو آپریشن ہوئے تھے اور خیال یہ تھا کہ وہ صحت یاب ہو جائے گا، مگر قضا و قدر کو کچھ اور منظور تھا۔ فراسٹ کی شہرت چالیس سال کے بعد شروع ہوئی مگر مرتے وقت وہ نہ صرف امریکہ میں بلکہ ساری دنیا میں جہاں جہاں انگریزی پڑھی جاتی ہے، مقبول تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ ایک فارم پر بسر کیا۔ اس کی نظموں کے کئی مجموعے شایع ہو چکے تھے اور اس کے کلام کی تاثیر، پیام کی آفاقیت اور انداز بیان کی سادگی کا بڑے سے بڑا نقاد اعتراف کرتا تھا۔ اس کی نثر میں بھی بعض اوقات بڑی گہری [illegible] کا ثبوت ملتا تھا۔ امریکہ سے اس کی محبت، انسانیت کی بنیادی قدروں پر اس کا ایمان، ایک خاص قسم کی صحت مند رجائیت نے اسے بہت ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ رابرٹ فراسٹ کی خصوصیات کا دھندلا سا اندازہ اس کے اس اقتباس کے آزاد ترجمے سے ہو سکتا ہے:

"کون اس کی پروا کرتا ہے کہ لوگ کیا کہتے ہیں
جینے کا یہ طریقہ خاصا اچھا ہے
جو فطرت دینے پر آمادہ ہے اسے قبول کر لینا
صرف ستاروں ہی کی چمک کے بوجھ سے نہ دب جانا
[illegible] سے کچھ رنگ و آہنگ [illegible] لینا۔"

انجمن ترقی اردو گیا کا دفاعی امدادی مشاعرہ

انجمن ترقی اردو شاخ گیا (بہار) کی طرف سے ریلوے سینما ہال میں قومی دفاعی فنڈ کے سلسلے میں ۱۳ر جنوری ۱۹۶۳ء ایک کل ہند مشاعرہ منعقد ہوا جس میں مقامی شعرا کے علاوہ حضرت جمیل مظہری، بسمل الہ آبادی، جاں نثار اختر، جگن ناتھ آزاد، ساحر لدھیانوی، کلیم عاجز، شمس گیاوی، ہوش عظیم آبادی جیسے مشہور و موقر شعرا نے شرکت کی۔

گیا کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نیز صدر استقبالیہ کمیٹی کی تقریر سے مشاعرے کا آغاز ہوا۔ نہایت مختصر الفاظ میں انھوں نے اردو زبان کی ہر دلعزیزی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان کی مٹھاس اور اس کی یک جہتی کا یہ کتنا بڑا ثبوت ہے کہ اس وقت مختلف خیال، مختلف مذہب اور مختلف جماعت کے لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں۔

وزیر تعلیمات بہار جناب ستیندر نرائن سنہا نے مشاعرہ کا افتتاح کیا۔ وزیر موصوف نے ملک کی ہنگامی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے شاعروں اور ادیبوں کو ان کے فرائض یاد دلائے اور فرمایا کہ وطن کی اس جنگ میں اردو شاعر اور ادیب بھی ہرگز پیچھے نہیں رہیں گے۔

حافظ مسعود صاحب جنرل سکریٹری نے اپنی مختصر رپورٹ پڑھی اور بتایا کہ شاخ گیا کی یہ ادبی تقریب اس لحاظ سے قابل ستائش ہے کہ اس نے اپنے عزم و عمل کا ایک عملی ثبوت دیا ہے۔ انجمن کے نائب صدر سید مظفر نواب صاحب نے مشاعرے کی صدارت کی۔

جلسہ ٹھیک ساڑھے چھ بجے شام شروع ہوا۔ سامعین نے نہایت صبر و سکون کے ساتھ معزز شعرا کا کلام سنا۔

حضرت جمیل مظہری، بسمل الہ آبادی، جاں نثار اختر، جگن ناتھ آزاد اور ساحر لدھیانوی نے حاضرین کے اصرار پر متعدد بار اپنا کلام سنایا۔ فرحت قادری کی نظم "پہلے کچھ کر کے دکھا دیں تو غزل بھی چھیڑیں" کی بے حد تعریف ہوئی۔

ساڑھے دس بجے شب میں مشاعرہ ختم ہوا۔ مشاعرے میں شرکت کے لئے مختلف درجوں کے ٹکٹ تھے جو کافی تعداد میں فروخت ہوئے۔ ضروری اخراجات وضع کرنے کے بعد سید مظفر نواب صاحب نے پوری آمدنی سے دو ہزار روپے کی نقد رقم قومی دفاعی فنڈ کے لئے پیش کی۔

ریاست بہار میں انجمن ترقی اردو کا یہ پہلا مشاعرہ تھا جو شاندار کامیابی کے ساتھ انجام پایا۔

> اناج بھی جنگ کا گولہ بارود ہے
> اسے ضائع نہ کیجئے

ہماری زبان پروری

۱۹۶۳ء میں "ہماری زبان" کی خریداری قبول کرنے والوں کو ہم کچھ تحفے، تحایف دینا چاہتے ہیں۔ جو اب تک خریدار نہیں بنے ہیں، وہ فوراً خریدار بن جائیں۔

ایک سال کی خریداری پر	خالق باری
دو سال کی خریداری پر	۰م سالہ قدیم دیوان غالب
تین سال کی خریداری پر	۰م سالہ قدیم دیوان ظفر شاہ

قیمتاً، صرف "ہماری زبان" کے پرانے خریدار انھیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اول ۰م، دوم ۱۵۰، سوم ۰ء۰ نئے پیسے۔ کاپیوں کی کمی کی صورت میں، ترجیح نئے خریداروں کو دی جائے گی۔ ڈاک خرچ ہر حال میں غیر مطلوب۔

(انجمن توسیع اردو)

نوٹ: اپنے پتے انجمن ترقی اردو کی وساطت سے بھجوائیں۔

(اقبال کرشن)

علی گڑھ تاریخ ادب اردو

علی گڑھ تاریخ ادب اردو کی پہلی جلد (۱۲۰۰ء - ۱۷۰۰ء) شائع ہو گئی ہے، جو مندرجہ ذیل مباحث پر مشتمل ہے:-

لسانیاتی مقدمہ	ڈاکٹر مسعود حسین خاں
سیاسی و تمدنی پس منظر	پروفیسر محمد حبیب
گجرات میں اردو	پروفیسر نجیب اشرف ندوی
اردو ادب بہمنی دور میں	پروفیسر عبدالقادر سروری
اردو ادب عادل شاہی دور میں	ڈاکٹر نذیر احمد و نصیر الدین ہاشمی
اردو ادب قطب شاہی دور میں	ڈاکٹر محی الدین قادری زور
ولی اور اس کا عہد	ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی و سخاوت مرزا
شمالی ہند میں اردو ادب کے نمونے ۱۷۰۰ء تک	ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی

کتاب کی قیمت بیس روپے ہے

اور

ڈاک گھر مسلم یونی ورسٹی پبلی کیشنز سے مل سکتی ہے

اثر رامپوری کا انتقال

یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ ۲۰ر جنوری سہ پہر کو محمد علی خاں اثر رامپوری عارضۂ فالج میں طویل عرصے تک مبتلا رہنے کے بعد انتقال فرما گئے۔ مرحوم ۱۸۹۲ء میں رامپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد شفیع خاں مجذوب تھا۔ دادا بھی شاعر تھے۔ اثر صاحب مرحوم خوش نویس بھی تھے اور صاحب تصانیف بھی۔ بعض مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں:- ذخیرۂ معلومات، ارمغان پارس، انشائے جدید، دیش کے گیت، مسدس بے نظیر اور تذکرہ شاعران رامپور وغیرہ۔

(خلافت - بمبئی)

اسرار اکبرآبادی

چھبیس جنوری اور شاعر

کلیوں نے لی ہے انگڑائی
پھولوں نے مستی چھلکائی
اور بھیروی کوئل نے گائی
رنگین بہاریں لائی ہے
چھبیس جنوری آئی ہے

سوئے جھرنے جاگ اٹھے ہیں
میٹھے میٹھے راگ اٹھے ہیں
اب اندھیارے بھاگ اٹھے ہیں
ندیوں نے دھوم مچائی ہے
چھبیس جنوری آئی ہے

آکاش کا نیلا پن جاگا
دھرتی کا سویا من جاگا
ساگر کا کومل تن جاگا
رنگین سویرا لائی ہے
چھبیس جنوری آئی ہے

سونے جیسے بال ہیں اس کے
چاندی جیسے گال ہیں اس کے
ہونٹ بھی کتنے لال ہیں اس کے
آنکھوں سے مے چھلکائی ہے
چھبیس جنوری آئی ہے

یوں ہلتی ہے کان کی بالی
جیسے جھومے پھول کی ڈالی
نار ہے یہ چنچل متوالی
ہر انگ میں مستی چھائی ہے
چھبیس جنوری آئی ہے

اس پھول سی سندر ناری کا
روپ جو اک شاعر نے دیکھا
گر کر قدموں میں یہ پوچھا
تو میرے لئے کیا لائی ہے؟
چھبیس جنوری آئی ہے

تنویر سامانی

رباعی

تقصیر کو توقیر کہا کرتے ہیں
تاریکی کو تنویر کہا کرتے ہیں
جو امن کے دشمن ہیں سدا دنیا میں
تخریب کو تعمیر کہا کرتے ہیں

رحمٰن جامی

تنہائی

(فیض کی نظم سے متاثر ہوکر)

ڈھل گئی رات سرکنے لگا تاروں کا غبار
آج کی رات کا وعدہ بھی یونہی بیت گیا
رات بھر نیند نہ آئی دل دیوانہ کو!
کتنے "بے پردہ" خیالات سر راہ گزار
یونہی آ آ کے بھٹکتے رہے لہراتے رہے
دل دھڑکتا رہا انجام کی بدخوئی سے
رات بھر پلکوں پہ بجھاتے رہے دیدار کے خواب
آج کی شب تھی گماں اور یقیں کا سنگم

جب بھی آواز دی دل کو تو پلٹ کر اس نے
انگلی ہونٹوں سے لگا کے کہا خاموش رہو
کوئی آتا ہے دبے پاؤں ذرا چاپ سنو

نہیں کوئی نہیں اک وہم مجسم کے سوا
اس کی دیوی تکلف کی ردا اوڑھے ہوئے
میرے خوابوں کے اجالوں پہ گرا کر پردے
ہر نظارہ مرے در پہ چلی آئی تھی

غزلیں

سید حرمت الاکرام

طرفگی جذبات میں ہم سے پہلے یہ تاثیر کہاں تھی؟
زخم وفا کب خندہ بلب تھا روح طرب دلگیر کہاں تھی؟
تیرے عارض کی ضوپاشی اور ہی شے تھی راہ طلب میں
دل تو جلایا ہم نے لیکن دل میں وہ تنویر کہاں تھی
عشق کے چاک دل کا فسانہ عقل نے بھی دہرایا لیکن
لہجے میں وہ درد کہاں تھا بات میں وہ تاثیر کہاں تھی
لغزش آدم کا صدقہ ہے یہ دنیا یہ خلد محبت
ورنہ کسی تقصیر کی اتنی حسیں تعزیر کہاں تھی
زلف و رسن سے بھی کچھ بالا اپنا ذوق جنوں تھا حرمت
فخر اسیری پر ہم کرتے ایسی کوئی زنجیر کہاں تھی

مظہر کامل حیدرآبادی

چشم بیمار کی گفتار سمجھ لیتے ہیں
ہم تجھے اے نگہ یار سمجھ لیتے ہیں
وہ جو آداب محبت سے نہیں ہیں واقف
دولت غم کو دل آزار سمجھ لیتے ہیں
ملنے لگتے ہیں جو بندہ نوازی کے مزے
وہ مری جیت کو بھی ہار سمجھ لیتے ہیں
ہم وہاں ہیں ہوں کہ مظہر جو ہیں
ہر ادا آپ کی سرکار سمجھ لیتے ہیں

علی افسر حیدر آبادی

حیدرآباد کے اُردو روزناموں کی ادبی خدمات

حیدرآباد کو اپنے مخصوص تمدن اور علمی تہذیب کے علاوہ اردو کے گہوارہ کی حیثیت سے ہندوستان بھر میں خاص مقام حاصل رہا ہے۔ دراصل اُردو کی پیدائش اور پروان چڑھنے کی بہت سی کڑیاں جو تاریخ ادب اردو کے تسلسل کا لازمی جزو ہیں حیدرآباد دکن ہی سے ملتی ہیں۔ آج بھی حیدرآباد کو اُردو کی سرگرمیوں میں خاص مقام حاصل ہے چنانچہ اس سلسلے میں یہاں ماہناموں کے علاوہ اُردو روزنامے بھی کسی طرح پیچھے نہیں۔ ویسے تو حیدرآباد سے سات روزنامے شایع ہوتے ہیں، لیکن ادبی خدمات کے لحاظ سے تین روزنامے قابل ذکر ہیں۔

روزنامہ ملاپ | یہ روزنامہ شری یدھ ویرجی کی ادارت میں شایع ہوتا ہے یدھ ویر صاحب کی پُرخلوص خدمات اور اُردو دوستی انکی ادبی سرگرمیوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ "ملاپ" اپنا ادبی ایڈیشن کامل ایک صفحہ پر ہر چہارشنبہ کو پیش کرتا ہے جو بڑے اہتمام سے شایع کیا جاتا ہے۔ یہ ایڈیشن دو سال کے عرصے سے پابندی کے ساتھ شایع ہو رہا ہے۔ اس ایڈیشن کی خوبصورتی تنوع اور افادیت اس کے ترتیب کار جناب علاؤالدین حبیب صاحب ایم اے کے سلیقے کا نتیجہ ہے جو خود بھی ایک اچھے شاعر و ادیب ہونے کے علاوہ شاندار صحافتی تجربہ رکھتے ہیں۔

"ملاپ" کو نظم و نثر کی مختلف اصناف کے اچھے امتزاج کا معیار کہا جائے تو نامناسب نہیں اس اخبار میں چھپنے چھپانے کے سلسلے میں کوئی ذہنی تحفظ یا پارٹی یا خانہ بندی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ مشہور و معروف شاعروں کے دوش بدوش اُبھرتے ہوئے شاعروں اور ادیبوں کو بھی بڑے اہتمام سے متعارف کرواکے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ خصوصیت ثانی کے طور پر فنکار کا فوٹو تعارفی نوٹ کے ساتھ شایع کیا جاتا ہے اور بعض کہنہ مشق اہل سخن کا کلام مخطوطہ میں بھی پیش کیا جاتا ہے۔ بہرحال جس خلوص کے ساتھ ملاپ کے ذریعہ اُردو کی خدمت کی جارہی ہے کسی صورت سے نظرانداز نہیں کی جاسکتی۔

روزنامہ سیاست | جناب عابد علی خاں صاحب کی ادارت میں نکلنے والا یہ روزنامہ بھی کافی مقبولیت رکھتا ہے۔ اس اخبار کو جناب محبوب حسین صاحب جگر کا تعاون حاصل ہے۔ جگر صاحب کی علمیت و قابلیت اور وسیع صحافتی تجربہ کا نتیجہ ہے کہ دوشنبہ کو بھی ایک مخصوص ایڈیشن "محفل شعر" کے عنوان سے اُبھرتے ہوئے شاعروں کے لیئے شایع کیا جاتا تھا لیکن اب صرف یکشنبہ کو ایک ہی ادبی ایڈیشن شایع ہو رہا ہے جس میں صرف مشہور و معروف شعرا کی زیادہ سے زیادہ دو تخلیقات شایع ہوتی ہیں، اکثر دوسرے پرچوں سے ڈائجسٹ کیجاتی ہیں۔ تازہ تخلیقات اور غیر مشہور مقامی شعرا کی اشاعت اور حوصلہ افزائی میں خست مانع ہے۔ تبصراتی اور معلوماتی مضامین کا اندراج کافی و متنوع ہوتا ہے۔ شاہد صدیقی مرحوم کے بعد سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ادبی ایڈیشن کے لیئے کوئی مستقل ترتیب کار نہیں ہے، جس کی وجہ اس کے ادبی معیار میں یکسانیت نظر نہیں آتی۔ جو اندیشہ ہے کہ اس شعبہ میں کسی مستقل ترتیب کار کے انتظام تک یہی حال رہے۔

روزنامہ رہنمائے دکن | رہنمائے دکن کے مدیر جناب منظور حسن صاحب ہیں اس اخبار کا ادبی ایڈیشن کامل ایک صفحہ پر ہر پنجشنبہ کو پیش کیا جاتا ہے جس میں عموماً نئے فن کاروں کی تخلیقات شایع کی جاتی ہیں۔ معیاری ادب کی کمی بہرحال محسوس ہوتی ہے۔ اس اخبار میں ایک اور جدت عام سطح کے لوگوں کی ادبی دلچسپی کے لیے یہ کی گئی ہے کہ دیئے گئے عنوان پر اپنی اپنی پسند کے اشعار سینکڑوں کی تعداد میں شایع ہوتے ہیں۔

بہرحال ان روزناموں کی موجودہ ادبی خدمات کو سراہنے سے گریز ناممکن ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان سرگرمیوں کو منظم کر کے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

سید محی امام پٹنہ سٹی

رسالۂ تہذیب ریاست رام پور

تہذیب رام پور سے ستمبر ۱۹۰۸ء سے نکلنا شروع ہوا۔ میرے پاس اس کا ایک شمارہ نمبر ۴ - جلد ۱ - دسمبر ۱۹۰۸ء کا ہے۔

یہ رسالہ صاحبزادہ محمد مصطفیٰ علی خاں صاحب بہادر ہوم سکریٹری اعلیٰحضرت نواب صاحب رام پور کی سرپرستی میں تھا۔ مرتب سعید اللہ خاں مالک سعیدی پریس رام پور تھے۔ صفحات ۶۴ ہیں، رسالہ کے آخر صفحہ کی پشت پر قواعد و مقاصد تہذیب درج ہیں۔

اس جلد کے مضامین کی فہرست ذیل میں درج ہے:

حصۂ نظم میں حسب ذیل شعرا کے کلام ہیں:

اثر، اشرف، بیتاب، تاج، حسرت، شمیم، شفیع، صفا، نیر، مضطر، احسان شاہجہاں پوری، احسان، تسلیم، خیال، اسیف، عیش، اوج رام پوری، خادم، عاشق، بیخود۔

صفحہ ۱۲ اور ۱۳ کے درمیان ایک اشتہار "اردو دیوان غالب کا شرح" کاغذ پر حسب ذیل مضمون میں ہے:

"دیوان غالب مع شرح دیوان غالب از حسرت موہانی۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ) درخواست خریداری بنام منیجر رسالۂ اُردوئے معلّٰی علی گڑھ آنا چاہیے۔"

ڈاکٹر انیس بیدی

اُردو کا تلفظ اور کچھ نئی تجویزیں

اُردو تلفظ پر غور کرتے ہوئے ذیل کے تین اہم سوال پیدا ہوتے ہیں!

(۱) الف سے نے تک کے تمام حروف کا اصلاً مخرج اور تلفظ کیا ہے؟

(۲) کیا اُردو تلفظ میں کچھ ہم صوت حروف بھی ہیں؟ اگر ہیں تو اُن کو کس طرح پہچاننا چاہئے؟

(۳) اُردو تلفظ میں حروف علّت و اعراب کا کیا چلن ہے اور ان کو ذہن نشین کرنے کی کیا صورت ہونی چاہئے؟

تلفظ کے معنی ہیں! بولنا، یا مُنہ سے ادا کرنا، اس عمل میں ہمارے مُنہ سے اعراب، حروف اور ان کے اتحاد سے لفظ بنتا ہے اور لفظوں کا اتحاد کلام ہو جاتا ہے۔

بہ اعتبار تلفظ، اس موقع پر تالو، ہونٹ، جوف دہن، خلائے حلق، لہات (حلق کا کوّا) زبان اور ہینی، متواتر حرکت میں رہتے ہیں۔

تلفظ کی اس کائنات میں، حلق اور حلق کے پیٹ سے نکلنے والے حروف میں الف، و، ے شمار ہوتے ہیں۔

ابتدائے حلق، حلق کے بیچ اور حلق کے نچلے حصّے سے ادا ہونے والے حروف ح، خ، ع، غ، ہ، ھ، ہمزہ (و یا ء) اور الف ہیں، لیکن الف اُس حالت میں، جبکہ لفظ کے شروع میں آئے۔

اُردو حروف تہجی کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو زبان کی نوک، زبان کے بیچ کے حصّے، زبان کے نچلے حصّے، دانت، تالو، لہات، خلائے دہن اور طرفین کنارۂ زبان کی جُنبش و حرکت سے پیدا ہوتے ہیں، ان میں ت، ٹ، ث، ج، جھ، چ، چھ، د، ڈ، ڈھ، ر، ڑ، ڑھ، ز، ژ، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ق، ک، کھ، گ، گھ، ل، ن، ے گنے جاتے ہیں، ان میں نون (ن) اور نون غنّہ (ں) ناک کے نتھنوں سے بھی ادا ہوتے ہیں۔

ہونٹوں کی جنبش کی مدد سے جو حروف ادا ہوتے ہیں وہ ب، پ، بھ، پھ، م اور و (واؤ) ہیں، ان میں م ناک کے نتھنوں سے بھی ادا ہوتی ہے۔

ان میں کچھ یکساں تلفظ حروف بھی اور وہ یہ ہیں:

(۱) الف، ع، ہمزہ (و یاء) (۲) ت، ط۔ (۳) ذ، ز، ض، ظ۔ (۴) ث، س، ص۔ (۵) ح، ہ۔

یہ بظاہر تو یکساں تلفظ حروف ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک حرف ایک دوسرے سے صوت و قرأت کے اعتبار سے، کبھی کچھ باریک اور کبھی کچھ باریک ترین فرق بھی رکھتا ہے، مثلاً الف، ع، ہمزہ کو لیجئے!

الف کا تلفظ ادا کرتے وقت زبان نیچے کے دانتوں کے اندرونی مسوڑھوں کو ایک لمحہ میں چھوتی ہوئی، نیچے کے ہونٹ کے ساتھ اوپر اُٹھتی ہے۔

عین (ع) کی صوت حلق کے اوپری اور زبان کے آخری حصّے کی جنبش سے ادا ہوتی ہے، عرب لوگ الف اور ع کو نمایاں فرق کے ساتھ منہ سے ادا کرتے ہیں مگر عام طور سے ہندستانی الف اور ع کے مخرج میں امتیاز نہیں برتتے! ہمزہ (و یاء) ع کی نصف آواز ہے۔

دوم: ت، ط، ان دونوں حروف کے تلفظ میں، ت کی ابتدا کا تلفظ نیچے کے دانتوں کے بیچ، زبان کو حرکت میں رکھتا ہے اور ہونٹ خفیف صورت میں جنبش کرتے ہیں، اور ط کے تلفظ میں ہونٹ نمایاں طور سے سُکڑتے ہیں۔ ان دونوں حرفوں کے فرق کو تانا (تانا بانا سے) اور طعنہ کے صوت و قرأت میں اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے؛ اور پھر جب یہ حروف، حروفِ علّت کے ہمراہ کسی لفظ میں آئیں! اُس وقت تو ان کو قوتِ سماعت کی مدد سے، ایک دوسرے سے مختلف صورت میں نمایاں طور سے محسوس کیا جا سکتا ہے، مثال کے طور پر:

۱۔ طوطا۔ مشہور پرندہ۔ (فارسی)

۲۔ توتا۔ " " (ہندی)

طوطا کے تلفظ و صوت پر دونوں ہونٹ سُکڑتے ہیں اور پھر مُنہ کُھل جاتا ہے، اور توتا کے تلفظ میں ہونٹوں کو انتہائی خفیف حرکت ہوتی ہے اور پھر مُنہ کُھلتا ہے۔

سوم: ذ، ز، ض، ظ کو لیجئے!

ان میں سے ہر ایک حرف کے وزن اور وزنِ قرأت و صوت پر (ہر جنبش و حرکت کے ساتھ) چہرے کی تصویر، ایک دوسرے سے جدا کیفیت میں ہوگی۔ اسی طرح ث، س، ص اور ح اور ہ پر بھی یہی قانون لاگو ہوتا ہے۔

یہ الفاظ:

(۱) اصل، عسل (شہد)، آس، عاقی، یا لال اور لعل۔

(۲) تانا، (تانا بانا سے) طعنہ۔

(۳) ذن، ظن، یا ذم، زم، ضم۔

(۴) ثواب، صواب، یا سفر، صفر، یا سابت، ثابت۔

(۵) ہجر، حجر، یا حک، ہک، اور ایسے دوسرے بے شمار الفاظ (جن کو اُردو، فارسی، عربی لغات سے اچھی ترتیب کی مدد سے جمع کر کے اس مضمون میں دیا جا سکتا تھا) مختلف الصوت ہوتے۔

ہاں! ہندی سے آئے ہوئے حروف بھ، پھ، تھ، ٹھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ وغیرہ، یہ اُردو حروف تہجی میں سے ب، پ، ج، چ، ک، گ کی ثقیل آوازیں ہیں اور یہ آپس میں، ایک دوسرے سے مختلف تلفظ میں تسلیم شدہ ہیں۔ البتہ ان میں ڈ، ڑ اور ڈھ، ڑھ بڑی اہمیت رکھتے ہیں، چونکہ ماہرین صوتیات کا ایک گروہ ان کو آپس میں ہم صوت مانتا چلا آ رہا ہے، لیکن اب یہ مسئلہ مختلف الصوت ہونے کے حق میں طے ہو چکا ہے، مثلاً گڈا اور گڑیا، پڑھ اور ڈھرا صوت و قرأت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

ان اہم نکات کے پیشِ نظر ضرورت ہے کہ تعلیم کی

(چھوٹی سے بڑی تک) ہر جماعت میں ایک صوتی مضمون کا بھی اضافہ ہو! تاکہ اُردو (جو اس معاملے میں سب سے پیچھے ہے) اپنے لئے ایک صحت مند راہ متعین کرے۔ دوسرے مدرسین کو جو تعلیمی ٹریننگ دی جاتی ہے، اُن کے مضامین میں بھی صوتی مضمون کا اضافہ ہونا چاہئے یہی دونوں عمل اس باب میں بہت اہم ہوں گے۔ (اس سلسلے کی دوسری تجویزیں اگلی سطروں میں دی جائیں گی)۔

اب رہی بات مصوتوں (حروفِ علت) کے تلفظ کی! یوں تو حروفِ علت (الف، و، ے) تین ہیں لیکن ان حروف نے صوتی اعتبار سے خاصے اچھے مدارج طے کئے ہیں، یعنی الف نے الف کا تلفظ بھی ادا کیا ہے، اور زبر کا بھی، اور اپنے وزن کا دُہرا مد (~) کا بھی۔ واؤ نے واؤ کا بھی اور پیش کا بھی۔ ے نے ے کا بھی اور زیر کا بھی، اور ان میں بھی اتنے خفی اور جلی اصوات ہیں کہ ان کی تعداد کاوش کی تحقیق سے بڑھ کر، اب تیرہ[۱۳] تک پہنچ گئی ہے، وہ یہ ہیں:—

گنتی	اُردو علامت	مثال	عنوان
۱	آ	آہنگ	الف ممدودہ
۲	اَ	عمل	زبر
۳	ء	دہن آتش	نصف زبر
۴	اَو	طور	واؤ لین
۵	اُ	کہرام	پیش مجہول
۶	اُو	ہول	واؤ مجہول
۷	اُ	اُس	پیش معروف
۸	اُو	ذوق	واؤ معروف
۹	اِی	ایثار	یائے معروف
۱۰	اِ	تل	زیر معروف
۱۱	اِے	تیل	یائے مجہول
۱۲	اے	رحمان	زیر مجہول
۱۳	اَے	بَیر	یائے لین

ان تیرہ آوازوں کی نشان دہی کے لئے، عموماً مد (~) زیر (ِ) پیش (ُ) اور الٹا پیش (ٗ) استعمال ہوتا آیا ہے، باقی آٹھ علامتیں ابھی تک ایسی متعین نہیں ہو سکی ہیں، جن پر تمام محققین صوتیات متفق ہوں! اور ان پر عمل بھی ہوتا ہو، اس کمی کو پورا کرنے کے لئے آٹھ نئی علامتوں کا ظہور میں آنا اتفاق رائے سے ضروری ہے۔ یہ تیرہ علامتیں اُردو کی ابتدائی تین چار درجوں کی کتابوں کی ہر تحریر میں ہوں! اس سے زیادہ نہیں! اور ان کتابوں میں مدرسین کے لئے ضروری ہدایات اور صراحت بھی ہوں تاکہ پڑھنے اور پڑھانے والوں میں سے کسی ایک کو بھی کوئی الجھن نہ ہو سکے۔ یہ ایک تجویز ہوئی! دوسرے تمام نئی تیار ہونے والی لغات میں! ان تیرہ اصوات کی علامتیں ہر لفظ پر (جو لفظ جتنی علامتوں کا ضرورت مند ہو) لگائی جانی چاہئیں۔ اس پر عمل پیرا ہونے سے ہمیشہ کے لئے اُردو کا تلفظ صحیح اور درست ہو جائے گا۔ (چونکہ یہ تیرہ مصوتے تقریباً سو[۱۰۰] الفاظ میں سے نوے[۹۰] تک کسی نہ کسی صورت میں ملتے ہیں! باقی دوسرے الفاظ میں پانچ فی صدی ایسے ہیں جن کا اصلاً عوام میں بھی صحیح مخرج ہے۔ البتہ پانچ فی صدی ایسے الفاظ ضرور ہیں جو عبارتوں میں اتفاق اور ضرورت کے تحت ہی استعمال کئے جاتے ہیں۔)

ان چند تجویزوں میں اس کا اضافہ بھی بہت کار آمد ہوگا کہ ان اصوات کو بین الاقوامی صوتی انجمن (I.P.A) کی قائم کی ہوئی صوتی علامتوں میں ظاہر کیا جائے۔ وہ علامتیں یہ ہیں:—

a: الف ممدودہ؛ a زبر؛ ə نصف زبر؛ ɔ واؤ لین؛ o پیش مجہول؛ o: واؤ مجہول؛ u پیش معروف؛ u: واؤ معروف؛ i: یائے معروف؛ i زیر معروف؛ e یائے مجہول؛ ɛ زیر مجہول؛ ɛ: یائے لین۔

اس تجویز کا عمل صرف اُردو لغت ٹائپ تک ہی محدود ہے کہ اس میں صحیحے (حروفِ صحیح) اُردو کے ہوں گے، اور مصوتے (حروفِ علت) I.P.A کے قائم شدہ۔ مثال کے طور پر وہ لغت اس نوع کی ہوگی:—

کتاب: ک ا: ت؛ ا ن ج۔ علیل: ع ج e ل؛ عال: ع ا: ل۔

میں اپنی تجویزوں میں، اس تجویز کے اضافہ کی اپنے نقطۂ نظر سے، اس لئے تائید کرتا ہوں کہ اس سے اُردو داں طبقہ اپنی زبان کے تلفظ کو صحیح ادا کرنے کے سوا، اس کو اپنا لینے سے انگلش زبان کو بھی پڑھتے لکھتے اور بولتے وقت ہر اعتبار سے از خود صحیح ہوگا، اور یہ عظیم فائدہ کچھ کم نہیں ہے۔[۲]

---

[۱] یہ تجویز سید شہاب الدین دسنوی صاحب کی ہے، اس کو موصوف نے اپنے مضمون "اردو ٹائپ میں تلفظ کا مسئلہ، ایک نئی تجویز" (مطبوعہ نئے ادب بمبئی، شمارہ جنوری ۱۹۶۲ء) میں پیش کیا ہے۔

[۲] اس رائے کو میں ایک دوسرے مضمون میں بھی پیش کر چکا ہوں۔ وہ مضمون سے زیادہ مباحثہ تھا، اس سے زیادہ اس مضمون میں اس تجویز کی ضرورت محسوس کی، اس لئے تکرار عمل میں آئی۔

تحسین سروری

غالب کے ایک شاگرد مُراد علی بیمار کی دوغزلیں

کلکتہ سے فروری ۱۸۸۲ء میں عظیم آباد کے تاجر محمد وزیر نے گلدستۂ نتیجۂ سخن نام کا ایک ماہانہ گلدستہ جاری کیا تھا جس کے شروع میں طرحی غزلیں اس کے بعد کچھ غیر طرحی کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ ترتیب کے فرائض عبدالصمد صمد کا نپوری کے ذمے تھے اور گلدستے کی طباعت مطبع دارالسلطنت کلکتہ میں ہوتی تھی۔ شمارۂ اول کے بعد مختلف موضوعات پر مضامین بھی شامل کئے جانے لگے۔ دوسرے شمارے (مارچ ۱۸۸۲ء) سے خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان کا "بوستانِ خیال" بالاقساط چھپنے لگا۔ اس کے شروع میں مرزا غالب کا جو دیباچہ شامل تھا وہ خطوطِ غالب (مرتبہ مولانا غلام رسول مہر) میں بھی موجود ہے۔ مقابلہ کے بعد کچھ لفظی اختلاف پایا گیا۔ اسیاق عبارت کے لحاظ سے گلدستۂ مذکور کی عبارت ہی درست معلوم ہوتی ہے۔

گلدستۂ نتیجۂ سخن کے شمارۂ اول میں حکیم محمد مراد علی بیمار (شاگرد غالب) کی ایک طرحی غزل چھپی ہے۔ یہ وہی بیمار ہیں جن کا تذکرہ جناب مالک رام صاحب نے اپنی کتاب "تلامذۂ غالب" کے صفحہ ۹۰ پر مخمّا مجاد اور یادگارِ ضیغم کے حوالے سے قلم بند کیا ہے۔ نمونۂ کلام میں مالک رام صاحب نے پانچ مختلف غزلوں کے چھ اشعار نقل کئے ہیں۔ ان چھ اشعار میں آخر کے دو اشعار جس غزل کے ہیں وہ پوری غزل نتیجۂ سخن کے مذکورہ شمارے میں درج ہے۔

شمارہ (۲)، بابت ماہ مارچ ۱۸۸۲ء میں بیمار کی ایک اور غزل بھی شائع ہوئی ہے، جس کا کوئی شعر تلامذۂ غالب میں موجود نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں غزلوں کو یہاں نقل کر دوں تاکہ بیمار کا اگر کوئی دیوان طبع نہ ہوا ہو تو ان کی یہ غزلیں محفوظ ہو جائیں۔ غزل سے پہلے شاعر کا جن لفظوں میں تعارف لکھا گیا ہے وہ بجنسہٖ نقل کر رہا ہوں:

"غزل۔ جناب حکیم مولوی محمد مراد علی صاحب تخلص بیمار باشندۂ دولت پورہ مقیم اجمیر شریف شاگرد حضرت مرزا نوشہ صاحب غالب مرحوم

دل نہ رکھے ہاتھ میں وہ صاحبِ دل کیا ہُوا
جس کے قابو میں نہ ہو دل پھر وہ کامل کیا ہُوا

نام والوں کے مٹائے دائے سب نام و نشاں
اے فلک بے مہر ہٹلا تجھ کو حاصل کیا ہُوا[1]

دل اُٹھی تیغ نگہ یاں ہو گیا عاشق کا کام
جو نہ سمجھا اس کے تیور کو وہ بسمل کیا ہُوا

کون تھا جو لے گیا، کیوں کر گیا، حیراں ہوں میں
تھا ابھی پہلو میں میرے ہائے وہ دل کیا ہُوا

تیغ تو مجھ پر لگائی تھی، وہ لے او چھی پڑی
پیشتر جو زور تھا تجھ میں وہ قاتل کیا ہُوا

موج زن ہے اس قدر چاروں طرف طوفانِ اشک
پوچھتے ہیں خضر بھی گھبرا کے ساحل کیا ہُوا

وہ مسیحا جب نہ آیا، ہم تڑپ کر رہ گئے
جان دینا ہم کو[2] اے بیمار مشکل کیا ہُوا

دوسری غزل:

کرتا ہے یاد ہم کو وہ صاحبِ جمال کب
رہتا ہے اُس پری کو ہمارا خیال کب

شرمندہ چاند ہے ترے چہرے کے سامنے
پایا ہے تجھ سا مہر نے حُسن و جمال کب

ڈسنے کو عاشقوں کے لئے سانپ ہیں پلے
دوشِ صنم پہ لٹکے ہیں کاکل کے بال کب

صورت بنائی سے بھی بڑھا ہے کہیں شرف
محرابِ سجدہ ہے خمِ تیغِ ہلال کب

بیمار مر گیا تو رقیبوں سے یہ کہہ
ہوتا ہے ایسی باتوں کا ہم کو خیال کب

[1] تلامذۂ غالب میں اس شعر کے پہلے مصرعے کے لفظ "دائے" کی جگہ "ہائے" لکھا ہے اور دوسرے مصرعے کی صورت یوں کر دیا گیا ہے۔ ع
"اے فلک بے مہر ہٹلا تجھ کو کیا حاصل ہُوا"

[2] تلامذۂ غالب میں "ہم کو" کی جگہ "تم کو" ہے۔

بقیہ

اُنیسویں ۱۹ صدی میں اُردو کے دو منظوم ماہنامے

"اب میری باری ہے، اب میرا وقت ہے، میری سادگی کو تیری مشاطہ نے وہ سنگار دیا ہے کہ دیکھنے والے مٹے جاتے ہیں، میری سیدھی سادی چال میں قدرت نے وہ شوخیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں کہ چاہنے والے ... جاتے ہیں۔ جادو ہے تو میری آنکھوں میں، اعجاز ہے تو میری زبان میں۔ تیری "میٹھی ایشیائی شاعری" بناوٹ کی باتیں کون مانتا ہے، کیوں جھوٹے پیام یار لائی ہے؟ تیرے اُجڑے گھر میں کیا دھرا ہے کیوں تحفۂ عشاق بھیجتی ہے۔ تیرے باغ کی پھلواری تاراج خزاں ہو بھر۔ دامن گلچیں کے بچے ہوئے پھولوں کی بوباس کون سونگھتا ہے۔ تیرے نقش و نگار محو ہو گئے کیوں مرقعہ نگار لئے پھرتی ہے، ان پرانی جنتریوں کو پھاڑ پھینک۔"

(صفحہ ۱، پہلا شمارہ)

دیوان عام اور خاص۔ کے لئے جو شعرا طرحی غزلیں بھیجا کرتے تھے اُن میں سے اچھی غزلیات کا انتخاب کر کے شایع کیا جاتا تھا۔ پہلے شمارے میں یہ دو طرحیں شایع ہوئی تھیں:

طرح دیوان خاص، ع: اے ساکنان کشور ہندوستاں بڑھو۔

طرح دیوان عام، ع: لطف بہار بلبل صحن چمن سے پوچھ۔

جن شعرا نے دیوان خاص کی طرح پر طبع آزمائی کی اُن کی تعداد آٹھ ہے۔ ان میں یزدانی کے علاوہ مولانا شاہ محمد اکبر داناپوری، منشی سجاد حسین ایڈیٹر طوطیٔ ہند، میر علی اوسط، پریم تقی ناتھ میرٹھی، میر آغا علی آغا، سید حسین شرف آگرہ اور میر ابوالحسن جھانسی شامل ہیں۔

دیوان عام کی طرح پر حسب ذیل شعرا نے طبع آزمائی کی: منشی محمد محسن محسن، منشی پریم تقی نرائن، میر علی اوسط، منشی طفیل احمد۔ غیر طرحی کلام ہیں۔ مولوی اسمٰعیل میرٹھی کی ایک نظم شامل ہے اور تحفۂ محرم کے عنوان سے یزدانی کا سلام ہے جو میر مونس کے جواب میں لکھا تھا۔

لسان الملک میں فارسی کلام بھی شایع ہوتا تھا۔ اس کی ایک خصوصیت اور قابل ذکر ہے۔ اُردو شاعری میں مولانا حالی کی اصلاحی تحریک چل رہی تھی۔ ایشیائی شاعری اور نیچرل شاعری زیر بحث تھی۔ یہ ماہنامہ مولانا حالی کا سخت مخالف تھا، اور دوسرے شمارے سے اُن کے کلام پر باقاعدہ منظوم تنقید شروع کر دی تھی جو بیحد دلچسپ اور معلومات افزا ہے اور اُردو میں منظوم تنقید کا ایک اچھا نمونہ پیش کیا ہے۔ کیونکہ اس دور میں جب اُردو تنقید نگاری باقاعدہ اور مرتب فن کی صورت میں سامنے نہ آئی تھی۔ ایڈیٹر لسان الملک کا تنقیدی شعور حیرت خیز ہے۔ اس کی تفصیلات ایک علیحدہ مضمون میں پیش کروں گا۔

بحیرۂ عرب کے ساحل پر اسلامی اور بودھ تہذیب کے آثار

پاکستان کے محکمۂ آثار قدیمہ کی طرف سے بھامبور میں جو کراچی کے نزدیک بحیرۂ عرب کے ساحل پر واقع ہے کچھ عرصے سے کھدائی کی جارہی ہے اس کے نتیجے میں ایک قدیم زمانے کا ایک قلعہ بند قصبہ دریافت ہوا ہے جس کے ساتھ ایک بندرگاہ ہے۔ اس میں پرانے فن تعمیر اور آرٹ کے کئی نادر نمونے ملے ہیں یہ قصبہ غالباً ابتدائی اسلامی عہد کا ہے۔

ایک ٹیلے کے نصف درجن مقامات پر گہری کھدائی کرائی گئی اور یہاں سے تین زمانوں کے آثار ملے ہیں۔ ایک زمانہ پارتھین عہد سے تعلق رکھتا ہے، دوسرا ہندو بودھ تہذیب کا ہے اور تیسرا ابتدائی اسلامی دور کا ہے یعنی اس جگہ ایک سال قبل مسیح سے تیرھویں صدی عیسوی تک کے آثار پائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک پرانی مسجد کے آثار ملے ہیں جو بستی کے وسط میں تھی اور ایک شیو جی کا مندر ہے جو اسلامی عہد سے پہلے کا ہے اور ٹیلے کے مغربی حصے میں ہے۔ پرانی مسجد کی دیواروں پر کوفی رسم الخط کی تحریر موجود ہے اور شیو جی کے مندر سے شیو لنگ ملے ہیں۔ گزشتہ سال جو گہری کھدائی کرائی گئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ یہ مسجد چار مرحلوں میں تعمیر ہوئی اور اس کی وقتاً فوقتاً مرمت ہوتی رہی۔ یہ کل مدت پانچ سو سال ہے۔ مسجد کی سب سے پہلی عمارت یہاں آٹھویں صدی عیسوی میں بنی۔ ٹیلے کے مغرب میں کھدائی کرانے پر ایک مندر کی پختہ زیریں منزل ملی ہے۔

ٹیلے کے مشرق اور شمال میں کھدائی کرانے پر ایک سات ہزار فٹ لمبی فصیل ملی ہے جو نصف دائرہ کی شکل میں ہے۔ یہ فصیل ۱۰ فٹ اونچی ہے اس کے اوپر جگہ جگہ مورچے بنے ہوئے ہیں اور نیچے اس کے ساتھ ساتھ پتھروں کا ایک بہت بڑا بند باندھا گیا ہے۔ اس فصیل کے ساتھ ساتھ ایک خندق بنی ہوئی ہے۔ اس کا معائنہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی تعمیر بھی چار مرحلوں میں ہوئی۔ یہ فصیل غالباً بستی کو عرب حملوں سے بچانے کے لئے تعمیر کی گئی ہوگی۔

اسلامی عہد کے جو آثار ملے ہیں وہ چار مراحل میں منقسم ہیں اور دفاعی عمارات کی تعمیر سے چار زمانوں کی ترجمانی ہوتی ہے۔ پہلا زمانہ بنو اُمیہ کا ہے اس زمانے میں فصیل پختہ تعمیر کی گئی۔ دوسرا زمانہ بنو عباس کا ہے جس کے دوران فصیلوں اور مورچہ بندیوں کی مناسب مرمت کی گئی۔ تیسرا زمانہ سلطانی عہد سے تعلق رکھتا ہے، جب ان مورچہ بندیوں کو دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ چوتھا زمانہ تیرھویں صدی عیسوی کا ہے، جب بہت اونچی دفاعی فصیل تعمیر کی گئی کیونکہ اس سے پہلے کی فصیل فرسودہ اور پرانی ہو چکی ہے۔

اس کھدائی میں بہت زیادہ تعداد میں پرانے سکے ملے ہیں، جو بہت زیادہ قیمتی ہیں اور ان سے تاریخی شہادتیں ملتی ہیں ان میں سے زیادہ سکے خلفائے عباسیہ یا ان کے مقامی گورنروں کے ہیں۔

پاکستان کا محکمۂ آثار قدیمہ اسلامی عہد کے آثاروں کو سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنانا چاہتا ہے چنانچہ وہ انھیں سنوار رہا ہے۔ اس جگہ ایک عجائب خانہ قائم کیا جاچکا ہے اور اب ان کے نزدیک ایک ریسٹ ہاؤس تعمیر کیا جارہا ہے ٹیلے کے دامن میں جو پرانی فصیل ہے اسے بھی صاف کر دیا گیا ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ کھدائی کا کام اس سال اپریل تک جاری رہے گا۔

(قومی آواز)

مراسلات

بے خود بدایونی

ہماری زبان بابتہ ۱۵ دسمبر ۱۹۷۲ء میں جناب خالد جمیل پوری کا مراسلہ "بیخود بدایونی کی سوانح حیات" کے سلسلے میں بطور استفسار شائع ہوا تھا۔ چند امور جو میرے علم میں ہیں عرض کرتا ہوں۔

(۱) مولوی عبد الحی بیخود بدایونی مدینۃ الاولیاء بدایوں کے معزز و ممتاز صدیقی خاندان کے فرد تھے۔ تحصیل علم کے بعد پہلے حالی کے اور پھر داغ کے شاگرد ہوئے۔ بیخود نے اول وکالت شروع کی بعد ازاں ریاست سروہی اور ریاست جودھپور میں ذمہ دارانہ عہدوں پر سرفراز رہے۔ ایک مقطع میں سروہی کا یوں ذکر کرتے ہیں:

سرو گردن کی خیر ہو بے خود — نام اس شہر کا سروہی ہے

(۲) ان کے والد کا نام مولوی غلام سرور تھا (نہ کہ غلام رسول جیسا کہ خمخانۂ جاوید میں ہے) بیخود کا سال ولادت ۱۸۵۷ء اور سال وفات ۱۹۱۲ء ہے۔ عمر ۵۵ سال کی ہوئی۔

(۳) راقم نے پہلی اور آخری بار (غالباً ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء میں) بیخود کو بدایوں کے ایک مشاعرے میں غزل پڑھتے دیکھا اور سنا۔ ان کی شاعری روایتی ہرگز نہیں بلکہ واقعاتی ہے۔ اس میں اساتذۂ دہلی کی طرح صدق جذبات اور لطف زبان بدرجۂ کمال ہے۔ غزل خوش اندازی میں تحت اللفظ پڑھتے تھے۔ اس مشاعرے میں جو غزل پڑھی تھی اس کا مطلع یہ ہے: وہ دل ہی کیا نہ ہو جائے۔ دوستی دشمنی نہ ہو جائے۔

(۴) استاد داغ نے اپنے تلامذہ میں جن دو صاحبوں پر ناز کیا ہے وہ بیخودین ہیں یعنی بیخود دہلوی اور بیخود بدایونی (ایک صاحب نے اس پر یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ داغ سا مسلم الثبوت استاد فارسی لفظ کو صیغۂ تثنیہ کیوں استعمال کرتا مگر یہ احتمال بے بنیاد ہے کیونکہ اول تو داغ کو عربی زبان کے قواعد پر عبور نہ تھا، دوسرے یہاں بیخود اسم معرفہ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں عربی یا فارسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)

(۵) مرحوم باکمال شاعر ہونے کے ساتھ اچھے نثر نگار بھی تھے جیسا کہ مرآت الخیال کے مقدمے کی عبارت سے ظاہر ہے۔

(۶) بیخود جوانی میں بڑے خوبرو ہوں گے جیسا کہ مشہور ہے، میں نے ان کو ان کے آخر زمانے میں دیکھا تھا اس وقت بھی خوبصورتوں میں تھے۔ کھلتا ہوا رنگ، بیک نقشہ۔ بدن چھریرا (کم از کم بھاری نہ تھا)۔

(۷) ان کی تصانیف میں اب تو یہی دیوان ہے جو مرآت الخیال کے نام سے موسوم ہے۔ ایک زمانے میں ان کے دو خمسے جدا شائع ہوئے تھے۔ بعد کو دیوان میں شامل کر لئے گئے۔ ایک واسوخت بھی چھپا تھا۔ مشہور ہے کہ وہ روایتی نہیں بلکہ واقعاتی ہے اور ان کے عہد رنگین کی یادگار۔ کلام کا ایک حصہ ضائع ہو گیا اور ایک حصہ مرحوم نے خود تلف کر دیا۔

مزید حالات خمخانۂ جاوید جلد دوم، اردو ادب علی گڑھ شمارہ ۲ ۱۹۶۰ء نیز مقدمۂ دیوان بیخود میں ملیں گے۔ (ضیاء احمد بدایونی)

نوٹ:- قصہ نہیں بلکہ منظوم آپ بیتی ہے جو اردو ادب ۱۹۶۲ء کے شمارہ ۳ میں ہے۔ (ادارہ)

"روشنی کی پرچھائیں"

(۱)

ہماری زبان کی اشاعت یکم جنوری سال رواں میں اقبال کرشن صاحب کا مراسلہ "روشنی کی پرچھائیں" پڑھا، کچھ باتیں درست مگر بہت سی غلط ہیں۔ اس کے علاوہ اقبال کرشن جی کا انداز صرف تلخ ہی نہیں بلکہ جارحانہ ہے۔ کلکتے میں تو اردو رسم خط میں سائن بورڈ بھی نظر آتے ہیں مگر دوسرے شہروں میں تو وہ بھی نہیں۔ (جاوید نہال)

(۲)

ہماری زبان کی اشاعت یکم جنوری ۱۹۷۳ء میں اقبال کرشن صاحب کا مراسلہ بعنوان "روشنی کی پرچھائیں" شائع ہوا ہے۔ مراسلہ نگار کا لب و لہجہ جارحانہ کے ساتھ استہزائیہ ہو گیا ہے، کلکتے میں ان کو جا بجا غلط اردو نظر آئی حتیٰ کہ مولانا آزاد کالج کے کتب خانے کے انڈیکس کارڈس میں بھی۔ کلکتہ ایک بین اقوامی شہر ہے یہاں صرف اردو بولنے والے ہی نہیں، بنگلہ، ہندی، آسامی، اڑیہ اور تلگو زبانیں بولنے والے کاروباریوں کی بھاری تعداد آباد ہے، اس لئے انھوں نے جن غلطیوں کی طرف اشارہ کر کے قتل عام اردو کہا ہے وہ بالکل درست نہیں ایسی غلطیاں صرف کلکتے میں نہیں بلکہ ہر بین اقوامی شہر میں ملتی ہیں۔

پہلے تو مولانا آزاد کالج لائبریری کے نگراں اردو داں نہیں، ان سے غلطیاں ہو سکتی ہیں، ان میں پروفیسروں کا کیا قصور، بس ان کی اتنی غلطی ضرور ہے کہ کلکتہ اردو ریسرچ اکاڈمی کے منتظم ہونے کے باوجود اپنے کالج کے کتب خانے کے کارڈس کو دیکھنے اور درست کرانے کی فرصت نہیں ملتی اس سے ان کی علمیت اور قابلیت میں کیا فرق آتا ہے۔

(جمال ہاشمی)

اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا
سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

ہماری زبان مورخہ ۱۵ دسمبر ۷۲ء میں مندرجہ بالا شعر کے سلسلے میں ایم اے خاں صاحب کا استفسار شائع ہوا ہے!

یہ شعر نواب علی اصغر صاحب اصغر کا ہے۔ لکھنؤ سے ایک جریدہ "العصر" کے نام سے جناب پیارے لال شاکر کی ادارت میں نکلتا تھا۔ اس کے جلد ۳ شمارہ ۲ ماہ اگست ۱۹۱۴ء میں حضرت عشرت لکھنوی کا ایک مضمون آتش لکھنوی کے متعلق شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں حضرت عشرت نے لکھا ہے:

"آتش کے شاگردوں میں ایک نواب اصغر علی خاں تھا اصغر بہت خوش گو شاعر تھے، مگر وارستہ مزاج۔ غزل پڑھنے کے بعد پھینک دیتے تھے۔ اکثر لوگوں میں ان کے شعر آتش کے نام سے مشہور ہو گئے ہیں ان کا ایک شعر بہت مشہور ہے:"

اس کے بعد یہی شعر درج ہے۔ اس میں فرق صرف اتنا ہے کہ عشرت مرحوم نے پہلا مصرع اس طرح لکھا ہے: ع

اگر بخشے زہے رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا۔ (محمد عبد الحلیم۔ ناگپور)

ضیاء احمد بدایونی

تبصرے

۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ

یہ دہلی کے ایک ذی علم شہری عبد اللطیف کا روزنامچہ ہے جس کو ہمارے فاضل اور محقق دوست پروفیسر نظامی نے مرتب کیا ہے۔ کتاب کے مندرجات حسب ذیل ہیں۔ (۱) فاضلانہ مقدمہ (۲) فارسی متن۔ (۳) مشکل الفاظ کی فرہنگ۔ (۴) اصل کا اردو ترجمہ۔ (۵) جن اشخاص کا ذکر آیا ہے اُن کا تعارف (۶) تعلیقات (۷) مآخذ کی فہرست۔

کتاب چشم دید واقعات اور ایک خاص نقطۂ نظر پر شامل ہے۔ اس لحاظ سے اس کی اشاعت ایک اہم تاریخی خدمت ہے۔ نظامی صاحب نے ترجمہ اور تعلیقات وغیرہ سے کتاب کی افادیت کو دوبالا کر دیا ہے۔ خصوصاً موصوف کا مقدمہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے خاص واقعات اور شخصیات کے بارے میں وسعت معلومات اور قوت استدلال کا بلند معیار پیش کرتا ہے۔ روزنامچے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہادر شاہ مرحوم اپنی ذات سے بہت نیک تھے مگر بے بس۔ اُن کے شہزادے نالائق اور اکثر عمال خود غرض تھے۔ اگر ان کو حکومت مل بھی جاتی تو اس کا سنبھالنا دشوار تھا۔ تاہم یہ امر واضح ہے کہ بادشاہ کا دامن بے گناہ عورتوں اور بچوں کے خون سے بالکل پاک تھا۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ تاریخ ہند سے ہر ذوق رکھنے والے کو اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔

یہ کتاب ۳٫۵۰ اور ۴٫۵۰ میں منیجر ندوۃ المصنفین اردو بازار، جامع مسجد دہلی سے طلب کی جائے۔

انمول جواہر

مؤلفہ شمیم ندوی

ڈالٹین گنج۔ پٹنہ

قیمت ۱٫۵۰ ۔ غالباً مؤلف سے ملے۔

مطالعے کے دوران میں موصوف کو جو عبارتیں یا جملے ادبی حسن کے لحاظ سے پسند آئے اُن کو اس میں جمع کر دیا ہے۔ انتخاب اچھا ہے۔ مگر بیشتر مختصر کہیں کہیں صرف ایک یا دو سطر۔ جن انشا پردازوں کی تصانیف سے یہ اقتباسات لیے گئے ہیں اُن میں پرانے اور نئے اہل قلم دونوں شامل ہیں۔ ایک آدھ نمونہ ملاحظہ ہو۔

آخری سانسیں از مشفق دہلوی۔ دھونکنی میں تھوڑی ہوا باقی ہے۔ شرر آپ ہی آپ بول رہا ہے۔ چپ ہو جائے گا۔ زخمۂ مضراب (؟) لگ چکا۔ تار میں صرف ارتعاش باقی ہے۔ خود بخود تھم جائے گا۔

اقتباس از پروفیسر تاثیر۔ کامیابی سعی و تلاش کی موت کا نام ہے۔

مقالات نیومین

مترجمہ مولوی محمد سلیمان

ملنے کا پتا۔ جہانگیر پریس، کشن گنج، ضلع پورنیہ

قیمت صرف ۳۱ نئے پیسے

انگریزی ادیب کارڈینل نیومین کا شمار ممتاز نثر نگاروں میں ہے۔ مولوی محمد سلیمان نے اس کے پانچ مقالات علم، یونی ورسٹی، شریف النفس، یونیورسٹی کے فیضانات اور لٹریچر کا صاف اور سلیس اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔ مقالات کے بعض حصے خوب ہیں۔ ترجمہ بھی کامیاب ہے۔

مالک انجمن ترقی اُردو علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا۔